"صبر" کو پیش کرتا ہوں۔ آج کل ہمارے ہاں توکل کے معنی ہیں ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا اور کچھ کام نہ کرنا۔ اس کو کہتے ہیں توکل۔ اس کے لئے ایسے قصے مشہور ہیں کہ ایک صاحب نے اس طرح توکل کیا کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے اور خدا سے کہا کہ میں خود کھانا نہ کھاؤں گا جب تک خود بخود کھانا میرے منہ میں نہ آجائے گا۔ اس طرح وہ کچھ عرصہ تک بیٹھے رہے۔ اس کے بعد کھانے کا ایک خوان ان کے سامنے موجود ہو گیا' وہ سمجھے کہ بس کام ہو چکا اور اپنے ہاتھ سے کھانے لگے' اتنے میں آواز آئی تو جلدی کر گیا' اگر کچھ دیر اور منتظر رہتا تو خود بخود تیرے منہ میں کھانا پہنچ جاتا۔ اور چونکہ قرآن مجید میں توکّل کی تعریف ہے اس لئے نکمے لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب تو کچھ کام نہیں کرتے' گھر سے باہر نہیں نکلتے' وہ بڑے متوکّل ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں توکّل کا مفہوم ہے نہایت مشکل حالت میں پوری ہمت سے کام کرنا اور نتیجہ کی طرف سے خائف ہو کر کام نہ چھوڑنا' بلکہ نتیجہ کے بارے میں خدائے تعالیٰ سے کامیابی کا بھروسہ رکھنا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ مفہوم صاف طور سے ظاہر ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے :

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ○ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ ﴾

(المائدۃ : ۲۲'۲۳)

"وہ لوگ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں' اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔ ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور جا داخل ہوں گے۔ اللہ کا ڈر ماننے والوں میں سے دو آدمی تھے کہ ان پر اللہ نے اپنی خاص مہربانی کی' وہ بول اٹھے کہ ان پر چڑھائی کر کے دروازے میں گھس پڑو' اور جب تم دروازوں میں گھس پڑے تو بلاشبہ تمہاری فتح ہے اور تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ پر توکل کرو۔"

سورۂ یونس میں ہے :

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

مَّقَامِیْ وَتَذْکِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ○ (یونس : ۷۱)

"اور اے پیغمبر! لوگوں کو نوح کا حال پڑھ کر سناؤ کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: بھائیو! اگر میرا رہنا اور خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سمجھانا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرا لو' پھر تمہاری وہ بات تم میں کسی پر مخفی نہ رہے' پھر جو کچھ تمہیں کرنا ہے میرے ساتھ کر چکو اور مجھے مہلت نہ دو۔"

حضرت نوح علیہ السلام نے کام نہیں چھوڑا۔ اگر کام چھوڑ کر بیٹھ جاتے تو اس مقابلہ کی ضرورت نہ تھی۔ کفار یہی چاہتے تھے کہ کام نہ کرو۔

صبر: صبر کے معنی آج کل فقط یہ لئے جاتے ہیں کہ اگر کسی نہ کسی وجہ سے کوئی مصیبت آ پڑے تو غم کا اظہار نہ کریں۔ نیز یہ کہ ذلتیں برداشت کریں اور چپ بیٹھے رہیں' پٹتے جائیں اور اُف نہ کریں۔ ایسے بے حمیتوں کی تعریف کی جاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ قرآن شریف پر عامل ہیں' اور قرآن میں صابروں کی تعریف ہے' لہٰذا ایسے اصحاب کی بھی تعریف اور وقعت ہونی چاہئے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صبر کا مفہوم ہے صحیح اصول پر کام کرنے میں جو دقتیں پیش آئیں اُن کا برداشت کرنا' اور کام کو جاری رکھنا' اور نبھانا اور دِقتوں سے گھبرا کر کام نہ چھوڑنا۔ چنانچہ یہ مفہوم مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہو جائے گا:

﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ○ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ○ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ . . . . ﴾ (البقرۃ:۲۴۹-۲۵۱)

"پھر جب طالوت اور ایمان والے جو اُس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو جن

لوگوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی لگے کہنے کہ ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کرنے کا دم ہی نہیں۔ اس پر وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ ان کو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے' بول اٹھے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے' اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اور جب وہ جالوت اور ان کی فوجوں کے مقابلے میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے اور معرکۂ جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔ پھر اللہ کے حکم سے اُن لوگوں نے دشمنوں کو بھگا دیا۔"

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(آل عمران : ۱۴۷)

"اور بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لوگ دشمنوں سے لڑے' تو جو مصیبت ان کو اللہ کے راستہ میں پہنچی اس کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہار دی' اور نہ بودا پن کیا اور نہ دشمنوں کے آگے عاجزی کا اظہار کیا' اور اللہ صابروں کو دوست رکھتا ہے۔ اور سوائے اس کے ان کے منہ سے ایک بات بھی تو نہیں نکلی کہ لگے دعائیں مانگنے کہ اے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر' اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما' اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ' اور کافروں کے گروہ پر ہم کو فتح دے!"

کلام مجید میں صابروں سے توقع کی جاتی ہے کہ کم سے کم اپنے سے دوگنی قوت پر وہ غالب آجائیں گے۔

﴿ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (الانفال : ۶۶)

"تو اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے' اور اگر تم میں سے ایسے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔"

اصل قرآن پیش نظر نہ رہنے سے' اور اس سے صحیح طریقے سے مستفید نہ ہونے سے اور اس کی جگہ مختلف لوگوں کی لکھی ہوئی شرحوں کو پیش نظر رکھے جانے سے ایک تو یہ نقصان ہوا کہ الفاظ کے غلط مفہوم عام طور سے شائع ہو گئے' جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ کلام مجید کی تعلیم کے چند ضروری حصّے نظرانداز ہو گئے۔ جب اصل کتاب تو پیش نظر نہیں اور بجائے اس کے مختلف لوگوں کی مصنفہ کتابیں پیش نظر ہوں تو لازمی ہے کہ تعلیم اپنے اصلی صحیح رنگ میں نہ رہے اور اس کا ایک حصّہ ضائع ہو جائے۔ اس کے متعلق چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً دنیاوی زندگی کو کامیاب اور قوی بنانے کے لئے وسائل کو اختیار کرنے کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ تعلیم ہے اس کی طرف سے بالکل غفلت کی جاتی ہے اور اس طرف بالکل توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اور اپنی حالت کامیاب اور قوی بنانے کے لئے کامل تیاری کرنا اور تمام امکانی قوتوں سے کام لینا اسلامی فرائض میں داخل ہے۔ اور اس پر قرآن مجید میں بہت زور دیا گیا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال : ۶۰)

"اور تیاری کرو ان کے واسطے جو کچھ تم کر سکو قوت سے۔"

بلکہ جو لوگ مسلمانوں کی ترقی میں اور کامیاب اور مضبوط حالت بنانے میں مطلق توجہ نہیں کرتے اور تمام اہم کام چھوڑ کر اپنا وقت نوافل پڑھنے میں ہی صرف کرتے ہیں اور اپنی حالت راہبوں کی سی بنا لیتے ہیں کہ ان کو دنیا کے معاملات سے تعلق نہیں ہوتا' ایسے حضرات کو بہترین نمونۂ اسلام سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی تو یہ تعلیم ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی حالت محفوظ رکھنے اور قوی بنانے میں موقع پر ایک دفعہ بھی تساہل کر جائیں تو خواہ وہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں اُن کو مسلمان اپنی جماعت سے خارج کر دیں جب تک وہ اپنے اس تساہل سے باز نہ آجائیں۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین اصحاب سے ایک دفعہ ایسے موقع پر تساہل ہو گیا تھا (ان صحابہ کے نام یہ ہیں : کعب بن مالک' ہلال بن

اُمیّہ' مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم) تو تمام مسلمانوں نے اپنی جماعت سے اُن کو علیحدہ کر دیا تھا اور ان سے تمام تعلقات منقطع کر دیئے تھے' یہاں تک کہ گفتگو بھی ترک کر دی گئی تھی۔ جب وہ انتہائی پریشانی اٹھا چکے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی' اس کے بعد مسلمانوں نے ان سے تعلقات دوبارہ وابستہ کئے۔ ان کا ذکر سورۂ توبہ میں اس طرح ہے :

﴿ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

(التوبة : ۱۱۸)

"اور ان تینوں شخصوں پر جو پیچھے رکھے گئے تھے' یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کی گرفت سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی' تاکہ (قبولِ توبہ کے شکریہ میں آئندہ کے لئے بھی) توبہ کئے رہیں۔ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

نیز صحیح احادیث میں بھی صاف طور سے درج ہے کہ مسلمانوں کو محفوظ بنانے کی کوشش کرنا نوافل' نماز اور روزے سے بہت بہتر ہے۔

تفسیر ابن کثیر' جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ میں درج ہے کہ ۱۷۰ ہجری میں عبداللہ بن مبارک نے جو مسلمانوں کو مضبوط اور قوی بنانے کی کوشش میں مصروف تھے' حسب ذیل شعر فضیل بن عیاض کو لکھ کر روانہ کیا تھا۔ فضیل بن عیاض صوفیہ کے امام ہیں' اور اس وقت مسجد حرام میں عبادات اور روحانی ریاضتوں میں مصروف تھے ؎

يا عابدَ الحرمين لو ابصرتَنا

لعلمتَ انّک فی العباده تلعب

"اے حرمین کے عابد! اگر تُو ہماری حالت دیکھے تو جان لے کہ تُو عبادت میں کھیل رہا ہے" (یعنی موجودہ حالات کے لحاظ سے یہ ریاضتیں لہو و لعب کا درجہ رکھتی ہیں)"۔

جس وقت حضرت فضیل بن عیاض نے یہ شعر پڑھا تو رو پڑے اور فرمایا کہ عبداللہ

بن مبارک نے صحیح لکھا ہے : فلما قرأہ ذرفت عیناہ و قال صدق ابو عبد الرحمٰن۔

دوسری مثال ہے کہ معاش حاصل کرنا' اس کے لئے کوشش کرنا اور اس کے لئے وسائل حاصل کرنا دنیاداری (یعنی بزعمِ خود دین سے علیحدگی) تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود قرآن کی تعلیم ہے :

﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾

(الجمعة : ۱۰)

"پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں اپنی اپنی راہ لو اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کی جستجو میں لگ جاؤ۔"

چنانچہ اکثر صحابہ اور ائمہ سلف کسب معاش کے لئے تجارت وغیرہ وسائل میں مصروف رہتے تھے۔ بخلاف ان کے آج کل ان وسائل میں مصروف ہونا خلافِ تقدس و کسرِ شان سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید کی تعلیم سے بُعد کا نتیجہ ہے۔

تیسری مثال۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان دنیا میں ذلیل اور مسکین زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں' حالانکہ قرآن مجید کی تعلیم کے یہ بالکل خلاف ہے اور قرآن مجید میں قومی ذلت اور مسکنت کو خدا کے غضب اور عذاب کی نشانی بتایا گیا ہے' جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

سورۂ زمر میں ہے :

﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ○ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾ (الزمر : ۲۵'۲۶)

"جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو اُن کو عذاب نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔ تو اُن کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ نے ذلت کا مزہ چکھا دیا۔"

سورۂ بقرہ میں یہود کی خرابیوں کے ذکر کے بعد ان کو عذاب سے اس طرح ڈرایا گیا ہے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ ﴾ (البقرة : ۸۵)

"تو کیا تم کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں گے اِس کے سوا اُن کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی ذلت ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں۔" (یعنی دنیا کی ذلت بدعملیوں کی سزا ہے)

دوسرے موقع پر سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے :

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُ وْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴾

(آل عمران : ۱۱۲)

"جہاں دیکھو ذلت ان کے سر پر سوار ہے، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کا ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ اور خدا کے غضب میں گرفتار ہیں، اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑ گئی ہے"۔ (یعنی قومی مسکنت خدا کے غضب کی نشانی ہے)

بخلاف ان کے جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرماتا ہے اُن کو برتری اور سلطنت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾

(آل عمران : ۱۳۹)

"نہ ہمت ہارو نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو گے اگر تم مؤمن ہو"۔

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۵)

"اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے"۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ.... ﴾ (النور : ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عطا فرمائے گا..."

چوتھی مثال۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جنت کے کامل استحقاق کے لئے نماز پڑھنا،

روزے رکھنا' حج کرنا اور وظائف پڑھنا کافی ہے۔ اگر پورا مذہبی اور جنتی مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی شرائط کافی سمجھی جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اشاعت و حفاظت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و ترقی کے لئے لوگ اپنے آپ کو محنت و مشقت میں مبتلا کریں اور آرام و راحت کی زندگی نہ بسر کریں۔ جب ابتدائے عمر سے یہ ذہن نشین ہو چکا ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مسلمان ہو سکتا ہے تو پھر قومی حیات کے لئے ایثار کرنے پر کیا چیز ہم کو آمادہ کر سکتی ہے؟

حالانکہ قرآن مجید میں صاف طور سے درج ہے کہ ہماری نجات کے لئے اس زندگی میں پوری اور ہر طرح کی کوشش کی ضرورت ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ ﴾ (البقرة : ۲۱۴)

"کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں' کہ اُن کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور جھڑ جھڑائے بھی گئے' یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے' کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب آئے گی؟ خبردار ہو اللہ کی مدد قریب ہے۔"

سورۂ عصر میں "حق" اور "صبر" کی وصیت کو سب پر لازمی قرار دیا گیا ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ بغیر اس کے سب لوگ نقصان میں ہیں۔

﴿ وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ ﴾

"زمانہ کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے' سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔"

امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں اس سورۃ کی تشریح فرماتے ہوئے صاف طور پر فرماتے ہیں :

فیها وعید شدید و ذلک لانه تعالٰی حکم بالخسار علی جمیع الناس الّا مَن کان آتیًا بهذه الاشیاء الاربعة و هی الایمان و العمل الصالح و التواصی بالحق و التواصی بالصبر' و دلّ ذلک علی ان النجاة معلقة بجموع هذه الامور وانه کما یلزم المکلف تحصیل مایخص نفسه فکذلک یلزمه فی غیره امور منها الدعاء الی الدین و النصیحة و الامر بالمعروف و النهی عن المنکر' ثم کرّر التواصی لیتضمن الاوّلالدعاء الی اللّٰه والثانی الثبات علیهٖ' دلت الایة علی ان الحق ثقیل و ان المحن تلازمه فکذلک قرن به التواصی

"اس میں وعید سخت ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خسارہ کا حکم لگایا ہے تمام لوگوں پر' سوائے اس کے جو اِن چار چیزوں کا انجام دینے والا ہے' اور وہ ایمان و عمل صالح اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات اِن چاروں کے مجموعہ پر منحصر ہے۔ اور یہ کہ جس طرح ہر ایک مکلف شخص کو اِن چیزوں کا حاصل کرنا ضروری ہے جو اس کے نفس کے لئے خاص ہیں اسی طرح وہ امور بھی اس کے لئے ضروری ہیں جو غیروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ منجملہ ان کے مذہب کی طرف دعوت دینا اور خیر خواہی کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ اور تواصی کو مکرر لائے ہیں' تاکہ پہلا لفظ دعوت الی اللہ پر دلالت کرے اور دوسرا لفظ اس پر ثابت قدم رہنے پر۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حق ایک بھاری چیز ہے اور بہت سی تکلیفیں اس کے لئے لازم ہیں' اس لئے کہ تواصی بالصبر کا حکم دیا گیا ہے۔"

جو حدیث شریف ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ)) عام طور پر مشہور ہے' افسوس ہے کہ اس کے غلط معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' لیکن تمام اسلامی احکام کو ان پانچ امور پر حصر نہیں کر دیا گیا' بلکہ اسلام کی مثال ایک عمارت سے دی گئی ہے جس کی بنیاد ان پانچ احکام پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جب تک وہ پانچ چیزیں نہ ہوں گی

اسلامی عمارت قائم نہ ہو سکے گی' لیکن جس طرح ایک عمارت میں بنیاد کے علاوہ اور بھی چیزوں کی ضرورت ہے اسی طرح اسلامی احکام ان پانچ امور کے علاوہ اور بھی ہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں سوائے ان احکام کے اور کسی کا ذکر نہ ہوتا۔

پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ اصل قرآن چھوڑنے سے اور اس سے صحیح طریقے سے مستفید نہ ہونے سے ایک تو قرآن مجید کے الفاظ کے غلط مفہوم رائج ہو گئے ہیں اور دوسرے اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ اس کی تعلیم کا ایک اہم حصّہ ہم نے بھلا دیا ہے۔ حالانکہ کلام مجید میں بہت زور اس پر دیا گیا ہے کہ تعلیم کے کسی حصّہ کو نظر انداز نہ کرو' بلکہ سب کو پیش نظر رکھو' ورنہ ذلت اور عذاب نازل ہو گا۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ ﴾ (البقرۃ : ۸۵)

"تو کیا تم کتابِ الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں تو اس کے سوا ان کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان کی رسوائی ہو اور آخر کار قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں۔"

قرآن حکیم میں پیغمبروں کے قصّے اور ان کی حکمت

صحیح طریقۂ تعلیم کو چھوڑنے سے تیسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ کلامِ مجید کی تعلیم پر پورا غور و فکر نہ کرنے سے کلام مجید کے بعض حصّوں کو ہم محض چند حکایتوں اور تفریحی باتوں کا درجہ دیتے ہیں اور ان سے مستفید ہونے کا قصد ہی نہیں کرتے' اور اس طریقہ سے ہم کلامِ مجید کے ایک حصّہ سے صحیح معنوں میں مستفید ہونے سے محروم ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید میں جو قصص مذکور ہیں ان کو ہم صرف یہ درجے دیتے ہیں :

﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ (النمل : ۶۸)

"یہ اگلے لوگوں کہانیاں ہیں"۔